Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum-e-Islamia/
ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online) E-Mail:muloomi@iub.edu.pk
Vol.No: 31, Issue:02. (Jul-Dec 2024) Date of Publication: 27-11-2024
Published by: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

تفسیر ماجدی، تبیان القرآن اور تفسیر القرآن الکریم میں منتخب آیات الاحکام کا ایک تحقیقی وتقابلی جائزہ

An analytical and Comparative review of "Ayat ul Ahkam" of selected Verses in Tafsir e Majidi, Tibyan ul Quran and Tafsir ul Quran al.karim

Zakir ullah
PhD Research Scholar in Islamic studies and Religious Affairs University of Malakand
Email: zakiruom438@gmail.com

Dr. Najmul Hassan
Associate Professor in Islamic studies and Religious Affairs University of Malakand
Email: najmulh639@gmail.com

Dr. Aliya Javed
Lecturer in Islamic studies and Religious Affairs University of malakand
Email: aliya91077@gmail.com

Abstract

The Holy Quran is the last inspired and revolutionary book of Allah Almighty, which was revealed to bring about a change in the lives of human beings. Without this book, creatures cannot recognize their true Creator in the true sense. The Holy Quran is a source of guidance for all human beings, which encompasses all matters related to humans from birth to death, and the possibility of distortion in it has been eliminated until the Day of Judgment. It is a treasure trove of knowledge from which scholars deduce according to their capabilities, because Allah Almighty has revealed two types of verses in the Holy Quran. One type contains commands, while the other type of verses includes monotheism, prophethood, preaching and advice, warnings and warnings, stories, proverbs, the horror of the Day of Judgment, mentions of Paradise and Hell, etc. The number of verses related to rulings in it is approximately five hundred, the details of which have been explained by jurists and commentators. Numerous translations and interpretations of the Holy Quran have been written in different languages, which is no less than a great blessing for the Muslim Ummah. Allah Almighty has kept so much flexibility in the rulings of the Quran and Sunnah that they can guide the Muslim Ummah in the issues that will arise until the Day of Judgment. This is the reason why the door of ijtihad has been kept open until the Day of Judgment to solve the issues that arise in the light of the Quran and Sunnah. In the present era, the Muslim Ummah is facing innumerable new issues. Scholars are prone to exaggeration and deviation regarding ijtihad directly from the Quran and Sunnah to solve the new issues that arise from them. Therefore, these three commentators have mentioned such jurisprudential issues in their respective interpretations that are necessary for humans in the present era. In this article, a research and comparative analysis of five verses selected in three interpretations in terms of the rulings of the Quran has been presented.

Keywords: Ayat al-Ahkam, Tafsir, Islamic Jurisprudence, comparative analysis, Ijtihad, Quranic Rulings, Fiqh Issues, Modern Islamic Thought, Revelation, Sharia, Muslim Ummah

تمہید:

قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کی آخری اِلہامی اور انقلابی کتاب ہے جو اِنسانوں کی زندگی میں تبدیلی لانے کے لئے نازل ہوئی-اس کتاب کے بغیر مخلوق اپنے خالق حقیقی کو صحیح معنوں میں نہیں پہچان سکتی۔ قرآن پاک تمام انسانوں کے لیے ہدایت کاذریعہ ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک انسان سے متعلقہ تمام امور پر محیط ہے اور قیامت تک اس میں تحریف کے امکانات ختم ہوگئے ہیں۔ یہ بیش بہاعلوم کا خزانہ ہے جس میں علماء اپنی بساط کے مطابق استنباط کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں دوقسم کے آیات نازل کی ہے۔ان میں ایک قسم احکام پر مشتمل ہیں جب کہ دوسری قسم آیات میں توحید، رسالت، وعظ ونصیحت، انذارو تبذیر، قصص، امثال، قیامت کی ہولناکی، جنت اور جہنم کے تذکرے وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں احکام سے متعلق آیتوں کی تعداد تقریباًپانچ سوہے جن کی تفصیلات فقہاء اور مفسرین نے بیان کی ہے۔ قرآن پاک کے بے شمار تراجم اور تفاسیر مختلف زبانوں میں لکھی جاچکی ہیں جو امت مسلمہ کے لیے عظیم نعمت سے کم نہیں۔ مفسرین نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ قرآن پاک کی تشریح وتوضیح کی ہے اور مختلف علوم وفنون پر مشتمل تفاسیر لکھی ہیں۔ان مفسرین میں فقہ کے ماہرین بھی تھے جنہوں نے فقہی مسائل کوبیان کیااور بعض نے احادیث اوراقوالِ تابعین کو سامنے رکھتے ہوئے تفسیریں لکھی ہے-قران وسنت کے احکام میں اللہ تعالی نے اتنا لچک رکھی ہیں کہ قیامت تک پیش آنے والے مسائل میں امت مسلمہ کے رہنمائی کر سکیں-یہی وجہ ہے کہ قران وسنت کی روشنی میں پیش امدہ مسائل کے حل کے لئے اجتہاد کادروازہ قیامت تک کھلار کھا گیاہے-عصرِ عاضر میں امت مسلمہ کوبے شمار نئے مسائل کا سامناہے ان سے پیدا ہونے والے نئے مسائل کے حل کے لئے قران وسنت سے براہِ راست اجتہاد کے حوالے سے اہل علم استفادہ کررہے ہیں-اسلئے ان تینوں مفسرین انے اپنے اپنے تفسیر میں ایسے فقہی مسائل کا ذکر کیاہے جو عصر حاضر میں انسانوں کی ضرورت ہیں-

تفسیر ماجدی جدید علوم کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ جونئے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کے پیش نظر قرآن پاک کی تعلیمات کی تشریح اور اس کے ساتھ نبی ﷺ کی احادیث اور صحابہ کی اسوہ حسنہ کو اس انداز سے پیش کیا جس کو جدید تعلیم سے اراستہ لوگوں نے بخوشی قبول کیاہے۔ اور عقلی دلائل سے بھی مذہبی صداقتوں کو جانچنے کی کوشش کی ہیں ۔ تصوف کو اکثر مقامات میں دلائل کے ساتھ ثابت کیاہے اور ساتھ ساتھ احکامات کو اپنی تفسیر کا ایک خاص حصہ بنایاہے-

تبیان القرآن جدید دور کی جامع اور مکمل تفسیر ہے۔ مفسر جب کسی آیت کی تفسیر کرتے ہے تو سب سے پہلے قرآن مجید کے طرف رجوع کرتے ہیں اسکی بعد احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ و تابعین کی اراء کو بیان کرتے ہیں، پھر آئمہ اربعہ کے اقوال اور فقہاء مذاہب کی روشنی میں اس مسئلہ کے وضاحت کرتے ہیں اور اس مسئلہ پر بہت زیادہ دلائل وبراہین کا انبار لگادیتے ہیں پھر آخر میں اپنا موقف چند جملوں میں بیان کرتے ہیں۔ آپ کا انداز تحقیق اور اسلوب تحریر انتہائی منفرد ہے-

تفسیر القرآن الکریم از عبد السلام بن محمدؒ بھی اس دور کی ایک اہم تفسیر ہے جس نے منہج اہل حدیث کی طرف توجہ دیا ہے۔ تفسیر کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ احادیث صحیحہ، آثار صحابہ، تفسیر بالماثور، احکامات وغیرہ کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔ اس طرح مصنف نے چونکہ عصری علوم کے بھی متخبر تھے تو اس وجہ سے انکے تفسیر میں جدید مسائل کا ذکر ہے-

ان تینوں مفسرین نے قرآن پاک کی ایک طرف جدید انداز میں تفسیر کی ہے تو دوسرے طرف ان لوگوں کے اعتراضات کا ایک جامع انداز میں جواب دیاہے کہ قرآن ایک پرانا اور فضول واقعات پر مشتمل کتاب ہے اور یہ اج کل کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے اس لئے زیر نظر مضمون میں نے ان تینوں تفاسیر میں آحکامات کا تقابلی جائزے کا انتخاب کیاہے تاکہ قران کے بھی اور غیروں کو دلیل کے ساتھ جواب بھی ہو-

آیت نمبر(1)ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱلْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ [(1)]

ترجمہ:جو ان دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیااس میں سے اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں [(2)]

اس آیت کے تفسیر میں عبد الماجد دریابادیؒ[3] لکھتے ہے: کہ یُؤۡمِنُونَ ایمانیات کے دائرہ کار کے اندر جتنی بھی چیزیں ہے سب کو تصریحات نبوی ﷺ کے مطابق وماتحت ہوناضروری ہے اور کسی اور طریقے سے آئے ہوئے علم ناقابل قبول ہے اور ایمان میں کوئی شک کے گنجائش موجود نہیں ہے۔ اسطرح بِٱلۡغَيۡبِ کے بارے لکھتے ہے: غیب سے مراد وہ چیزیں جن کا ادراک حس اور عقل سے نہیں ہوسکتے ہے اور انکا خبر ہمیں صرف محمد ﷺ نے دیا ہے اور غیب سے مراد وہ چیزیں ہے جو نظر سے چھپی ہوئی ہو۔ ٱلصَّلَوٰةَ کے بارے میں لکھتے ہے: کہ صلواہ کے لفظی معنی دعا ہے ۔اصطلاح شریعت میں ارکان مخصوصہ کا ایک معروف عبادت کا نام ہے اور نماز کے اندر دعائیں زیادہ ہوتے ہیں اور دعا زبان دل ظاہری اعضاء کے ساتھ ادا ہوتی ہیں۔ اقامت صلواتہ اور ادائے صلواہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اقامت صلواہ سے مراد نماز مکمل طور پر تمام ارکان اور شرائط کو ساتھ ادا کرنا ہے۔ رزق کے بارے میں تحریر کرتے ہے: کہ رزق معنی کے لحاظ سے بہت وسیع معنی رکھتے ہیں جیسا کہ اسکے اندر ہر قسم کے نعمتیں اجاتی ہے خواہ ظاہری یامادی ہو مثلاِ مال ورحمت، اولاد اور یا معنوی یا روحانی ہو جیسا کہ علم وحکمت، عقل وغیرہ۔ رَزَقۡنَٰهُمۡ کے حوالے سے لکھتے ہے: کہ انسان کے پاس جتنی چیزیں ہے سب اللہ تبارک وتعالی نے دی ہے اسمیں انسان کے اپنے کوئی چیز نہیں ہے یُنفِقُونَ کے بارے میں لکھتے ہے: کہ اللہ نے انسان کو جو نعمتیں دی ہے سب اللہ کے راہ میں خرچ کرتے ہے اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ اس عموم میں یہ داخل ہے کہ ہم نے انھیں جو انوار معرفت عطا کی ہے انکاوہ چاہنے والوں پر افاضہ کرتے رہتے ہیں۔[4]

غلام رسول سعیدیؒ[5] اس آیت کے تفسیر میں امام راغب اصفہانیؒ کے کیا گیا تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہے: کہ ایمان امن سے ماخوذ ہے اور امن کا معنی نفس کا مطمئن ہونا اور خوف ختم ہونا۔ امن، امانت اور امان اصل میں مصادر ہے امان انسان کے حالت امن کو کہتے ہیں اور انسان کے پاس جو چیزیں حفاظت کے لئے رکھا جائے اسکو امانت کہتے ہیں۔ اسطرح لکھتے ہے: کہ ہر اس شخص مین ایمان موجود ہے جو حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں داخل ہو اللہ کے ایک ہونے پر ایمان، اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کا اقرار کرنا کھلے دل سے کرتا ہو اور دل سے ہر اللہ کے ہر حکم ماننے کو تیار ہو۔ غیب کے بارے امام راغب اصفہانیؒ کے تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہے: کہ غیب وہ ہے جن کا حواس خمسہ سے ادراک نہ کیا جاسکتا ہو اور نہ عقل سے معلوم ہوتا ہو البتہ انکا علم صرف وحی کے ذریعے سے معلوم ہوجاتا ہے۔ غیب مطلق کا علم صرف اللہ کے پاس ہیں اور بندوں کے لئے ثابت نہیں ہے اور اللہ نے جو خاص بندوں کو خبر دی ہے انکے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ انکو علم غیب ہے بلکہ اسطرح تعبیر درست ہے کہ اللہ نے ان کو بعض معیبات کا علم دیا ہے۔ اسطرح سعیدیؒ لکھتے ہیں: کہ بعض فقہاء اور علماء کے عبادت میں مخلوق کے طرف علم غیب کا اسناد کیا گیا ہے وہاں چونکہ غیب سے مراد مطلق نہیں ہے اسلئے وہ عبارت عقلا جائز ہے اور کفر وشرک نہیں ہے لیکن ایسا کہنا شرعاً اچھا نہیں ہے ۔ صلواۃ کے بارے میں بھی امام راغب اصفہانیؒ کے تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہے: کہ صلواۃ عبادت مخصوصہ کا نام ہے اور اسکا اصل دعا ہے اسلئے کل کو خبر کا نام دیا گیا ہے۔ اسطرح کوئی بھی شریعت نماز سے خالی نہیں تھے لیکن انکا طریقہ کار الگ تھا اسلئے کلیسا پر بھی صلواۃ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ قران مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب کسی چیز کے تمام حقوق اور تمام ظاہری وباطنی اداب کے ساتھ ادا کرنا مقصود ہو اور اسکو اقامت کے ساتھ تعبیر فرماتا ہیں جیسا کہ قران مجید میں ارشاد ہے أَنۡ أَقِيمُواْ ٱلدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُواْ فِيهِۚ [6] ترجمہ: اسی دن کو قائم رکھو اور تفرقہ نہ ڈالو۔ انکا مطلب یہ ہوا کہ نماز کے پورے شرایط وفرایض، واجبات، سنن اور مستحبات کو پوری کے جائے۔ نماز میں دنیاوی سوچ وبچار، دنیاوی خیالات میں مستغرق نہ ہو اور یہ سوچنا چاہیے کی میں اللہ کے دربار میں کھڑا ہو اور سے مناجات کررہا ہو۔ رزق کے بارے سعیدیؒ امام راغب اصفہانیؒ کے تعریف ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہے: کہ رزق کا معنی ہے عطاء خواہ وہ عطا دنیاوی ہو یا اخروی ہو اور رزق کا معنی نصیب ہے اور لکھتے ہے کہ جو غذا پیٹ میں جائے اسکو رزق کہتے ہے اسطرح علم تقسیم کرنے کو بھی رزق کہتے ہے۔ ینفقون کے بارے میں سعیدیؒ لکھتے ہے: کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے اللہ نے انسان کو جتنے بھی نعمتیں عطاء کی ہے سب مراد لی جائے تو بہتر ہے اور تقوی والے لوگ وہ ہے جو ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں اور اہل وعیال پر خرچ کرتے ہے۔ اسطرح خدا کے دئے ہوئے عقل سے کم عقلوں کو مشورے دیتے ہے۔ تقوی اور پرھیز گاری کے اثر سے جو روحانیت حاصل ہوتے ہیں ان سے لوگوں کا تزکیہ کرتے ہے اور اللہ نے انکو جو علم دی ہے وہ دوسروں تک پہنچاتے ہے۔[7]

اس آیت کے تفسیر میں عبد السلام بن محمدؒ[8] یومنون بالغیب کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ غیب سے وہ حقائق مراد ہے جو انسان کے حواس اور عقل کی رسائی سے باہر ہو۔ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ غیب پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ پانچ وقت اذان سن کر نماز پڑھے اور اس لیے کہ نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے سے اطاعت کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور پھر جب کوئی شخص اطاعت کے لیے تیار نہیں ہے تو ان کو ہدایت نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح لکھتے ہیں: کہ قیامِ نماز کا معنی رسول اللہ ﷺ کی نماز کے طریقے کے مطابق نماز ادا کرنا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔" اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارکان نماز اطمینان سے ادا نہ کرنے والے شخص سے فرمایا تھا کہ نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھا ہے۔
وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ کے بارے میں عبد السلام بن محمدؒ لکھتے ہیں: کہ جو چیز ہم نے ان کو دیا ہے سے مراد ہر نعمت ہے مثلاً مال، اولاد، علم و عقل، قوت وصحت، عزت و وقار وغیرہ ہر نعمت میں سے کچھ نہ کچھ خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالی نے سارے مال خرچ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ اسطرح اس میں ذاتی ملکیت کے منکر ہو یعنی کیمونسٹوں[9] کا رد ہے کیونکہ ملکیت نہ ہو گی تو خرچ کس طرح کرے گا۔ خرچ میں فرض و نفل ہر قسم کا خرچ ہے اور جو شخص اللہ کے لیے اس کی عطا کردہ نعمت خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں قرآن سے رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔[10]

آیت نمبر (2) وَلِلَّهِ ٱلْمَشْرِقُ وَٱلْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا۟ فَثَمَّ وَجْهُ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ [11]

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں۔ لہٰذا جس طرف بھی تم منہ کروگے اس طرف اللہ کا رخ ہے۔ بے شک اللہ بڑی وسعت والا، بڑا علم رکھنے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں دریا آبادیؒ ان لوگوں پر رد کرتے ہیں جو باری تعالیٰ کے لیے سمت اور جہت ثابت کرتے ہیں لکھتے ہیں: کہ مشرق اور مغرب دونوں یکساں جہتیں ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام سمتوں کا مالک ہے، وہ کسی خاص جگہ اور خاص سمت کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اس کو آسان نہیں لینا چاہیے کیونکہ غلط اور کمزور عقائد رکھنے والے لوگ اکثر گمراہی کی شکار ہوئے ہیں۔ وہ لوگ یہ قیاس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے اس لیے اس کے لیے کوئی سمت اور جہت ہونا چاہئے۔ یہ عقیدہ تمام مصری، ہندی اور رومی مشرکین کا رہا وہ اس کے لیے جو سمت متعین کرتے ہیں اس سمت کو مقدس مانتے ہیں، جیسے بعض مشرکین سورج دیوتا کو عظیم مرتبہ دیتا ہے، اس بنا پر وہ سمت مشرق کی تعظیم کرتے ہیں اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کئی خالص مسلمان بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ سمت اور جہت جیسے خیالی چیزوں بھی قوموں کی معبود ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سمت پرستی کا اثر اہل کتاب میں بھی سرایت کر گئی، اکثر جاہل لوگ بالخصوص عیسائی اس بنا پر مشرق پرست بن گئے اور بعض تو مشرق کے ساتھ مغرب کی بھی تعظیم کرنے لگے کہ جس طرح سورج کا طلوع مشرق سے ہوتا ہے تو اسی طرح غروب تو مغرب میں ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں سمتیں تعظیم کے لائق ہیں، دنیا شرک اور مشرقیت و مغربیت کے اس خباثت میں مبتلا تھی کہ توحید قرآنی نے سارے دنیا کے عقائد کو چیلنج کیا اور ایک رب العزت کی عبادت کا پرچار شروع کیا کہ خدائے واحد ہر مکان، جہت اور سمت سے پاک اور منزہ ہے اس ذات پاک کی تجلیات ہر طرف ہیں۔ جہاں رخ کروں گے وہاں اسی کو پاؤ گے۔ دریا آبادیؒ لکھتے ہیں: کہ اس آیت میں عقیدہ تجسیم کے پوری تردید اگئے جس کے لیے انگریزی میں ایک لمبا سا نام Anthropomorphism ہے ہمارے اکابر نے بھی اس آیت کو اسی معنی میں لیا ہے۔[12]

اس آیت کی تشریح میں سعیدیؒ سواری پر نماز کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ سفر نفل نماز کی ادائیگی جائز ہے، خواہ سواری کسی بھی جانب رخ کیے ہو۔ البتہ، فرض نماز سواری پر بغیر کسی عذر کے ادا کرنا جائز نہیں، کیونکہ قبلہ رخ ہونا فرض ہے اور عذر کے بغیر یہ فرض ساقط نہیں ہوتا۔ اگر عذر موجود ہو، تو پھر سواری پر فرض نماز جائز ہے۔ مزید یہ کہ راستے میں اگر کیچڑ ہو اور اتر کر نماز پڑھنے سے کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں سواری پر فرض نماز پڑھنا جائز ہے سعیدیؒ کے مطابق فرض نماز سواری پر پڑھنے کی رخصت مخصوص اعذار کی بنیاد پر دی گئی ہے۔ یہ اعذار اس صورت میں ہیں جب سواری سے اترنے پر اپنی جان یا مال کو خطرہ ہو، مثلاً کسی

درندے یا چور کا خوف ہو۔ اسی طرح اگر زمین پر کیچڑ ہو اور خشک جگہ نہ مل سکے جہاں نماز ادا کی جاسکے، تو بھی سواری پر نماز جائز ہے۔ اس کے علاوہ، اگر چوپایہ بے قابو ہو اور اس سے اترنے کے بعد دوبارہ بغیر کسی مددگار کے اس پر سوار ہونا ممکن نہ ہو، یا اگر بس، ٹرین، یا ہوائی جہاز سے اترنا کسی عملی دشواری یا خطرے کا باعث ہو، اور مددگار بھی دستیاب نہ ہو، تو ان حالات میں بھی سواری پر فرض نماز کی اجازت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے "پھر اگر تم حالات خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار (جیسے بھی ہو نماز پڑھ لیا کرو"[13] اور سواری سے اترنے پر قادر ہونے کے بعد اس پر نماز کا دہرانا لازم نہیں ہے. جیسا کہ مریض سواری پر اشاروں کے ساتھ نماز پلٹاہے خواہ جو پایہ اس وقت چل رہا ہو اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے سعیدیؒ ٹرین میں نماز کی ادائیگی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب کوئی تیز رفتار ایکسپریس ٹرین نماز کے پورے وقت میں کسی اسٹیشن پر نہیں رکتی، تو چلتی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ فرض ہے۔ کیونکہ قرآن مجید سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اگر جان کا خطرہ ہو تو سواری پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، اور چلتی ٹرین سے نیچے اتر کر نماز پڑھنے میں یقینا جان کا خطرہ ہے۔ ہمارے فقہاء نے اس سے کم خطرے کی حالت میں سواری پر فرض نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس میں نماز کا اعادہ نہیں ہو گا۔ جب کیچڑ میں گندے ہونے کے اندیشے سے چلتی سواری پر نماز جائز ہے، تو جان کے خطرے کی وجہ سے تیز رفتار دوڑتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنا بطریق اولیٰ جائز ہو گا۔[14]

اس آیت کی تفسیر میں عبد السلام بن محمدؒ لکھتے ہیں: کہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں بلکہ مراد خاص صورتوں میں قبلہ کی پابندی ختم کرنا ہے کیونکہ اس سے پہلے ان ظالموں کا ذکر ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتے ہیں یعنی ان ظالموں کی اللہ کی مسجدوں سے روکنے اور انھیں ویران کرنے کی کوشش اللہ تعالی کی عبادت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے، سو انسان کو قبلہ کی طرف رخ کرنے میں اگر کوئی دشواری ہو، دشمن کا خوف ہو یا قبلہ معلوم نہ ہو سکے تو جس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے درست ہے۔ عبد السلام بن محمدؒ نے حدیث ذکر کیا ہے لکھتے ہیں: کہ "رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن انیسؓ کو بھیجا کہ وہ خالد بن سفیان[15] کو قتل کر دیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے کے لیے فوج جمع کر رہا تھا۔ وہ انھیں عرنہ یا عرفات میں نظر آ گیا (جہاں عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ[16] کا چہرہ کعبہ کی مخالف سمت تھا)، ادھر عصر کا وقت ہو گیا تو انھوں نے نماز فوت ہونے کے خدشے کے پیش نظر دشمن کی طرف چلتے چلتے نماز پڑھ لی، پھر جا کر اسے قتل کر دیا"[17] اسطرح سفر کی حالت میں نفل نماز کے متعلق اجازت ہے کہ وہ سواری پر پڑھ لی جائے، خواہ رخ کسی بھی جانب ہو۔

آیت نمبر (3) شَهۡرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلۡقُرۡءَانُ هُدٗى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٖ مِّنَ ٱلۡهُدَىٰ وَٱلۡفُرۡقَانِۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوۡ عَلَىٰ سَفَرٖ فَعِدَّةٞ مِّنۡ أَيَّامٍ أُخَرَۗ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلۡعُسۡرَ وَلِتُكۡمِلُواْ ٱلۡعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَىٰكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُونَ[18]

ترجمہ: رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قران نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت اور ایسی روشن نشانیوں لیے ہوئے ہے جو صحیح راستے کی جانب رہنمائی کرتی ہے اور حق و باطل کے بیچ دوٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں۔ لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے وہ اس میں لازمی روزہ رکھے اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پورے کرلے اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تاکہ (تاکہ تم روزوں کی) گنتی پوری کرلو اور اللہ نے تمھیں جو راہ دکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔

اس آیت کے تفسیر دریا آبادیؒ لکھتے ہیں: کہ شھد لفظ وسیع معنی میں ہے یعنی جب ماہ رمضان کے شروع ہونے کا علم ہو جائے خواہ چاند کو براہ راست دیکھ کر خواہ دوسروں سے رویت کی خبر سن کر تو بیماروں مسافر و معذوروں کو چھوڑ کر اور سب لوگ روزہ رکھنا شروع کر دیں۔ رویت ہلال کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں: کہ کہاں کہ رویت ہلال معتبر ہو گی؟ تو فقہاء نے اس کے جواب میں بڑی بڑی بحثیں کی ہیں لیکن صاف اور سیدھی بات یہ ہیں کہ اسی شہر یا بستی کی یا قرب و جوار کی بستیوں کی سینکڑوں ہزاروں میل دور سے رویت ہلال کی خبریں منگانے کا تار ٹیلیفون ریڈیو وغیرہ کے ذریعے سے انتظام کرنا یا کلکتہ کی رویت کو انیس ہزار (1900) میل دور ممبئی پر حجت گردانا شریعت اسلامی کی اصل روح پر ظلم کرنا ہے

اختلاف مطالعہ ایک صریح مشاہدہ کی چیز ہے اسے کیوں کر جھٹلایا جاسکتا ہے وحدت امت یقیناً ایک بڑی اہم چیز ہے لیکن اس کے لیے یہ زبردستی کی کوششیں کرنا طبعی کو غیر طبعی کی حد تک پہنچا دینا ہے۔ دریا آبادیؒ نے امام مسلمؒ کے قول نقل کیا ہے کہ امام مسلم فرماتے ہیں: کہ ہر شہر کے رویت وہیں کے معتبر ہے اور اس میں کہ جس بستی میں چاند دکھلائی دے وہاں سے دور کی بستیوں پر وہاں کا حکم عائد نہ ہوگا۔ اسطرح امام مالکؒ کا مذہب بھی یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت سب جگہ کے لیے کافی ہوگی لیکن ابن عبد البرؒ نے اجماع اس کے برخلاف نقل کیا ہے یعنی ایسے دور دراز ممالک جیسے خراسان اور سپین ہے ان میں سے ایک کے ہاں کا اعتبار دوسری جگہ نہیں کیا جائے گا۔ اسطرح الشہر کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ اس دنیا کے پردے پر کچھ ملک ایسے بھی آباد ہیں جہاں کا طلوع و غروب ہمارے عام معیار کے لحاظ سے بالکل غیر معمولی ہیں مثلاً فنلینڈ یا قطبین کے قریب کے علاقے جہاں رویت ہلال کی انتیسویں دن یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشہر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جائیں کہ صرف ایک لفظ شھد الشھر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کا جڑ کاٹ دیا ہے بطور تطوع یا بہ خیال تقوی کی کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہیں تو سونے جاگنے کھانے پینے غرض دنیا کے اور سارے کاروبار کے لیے وہاں اوقات کا جو معیار ہو اسی انداز اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔[19]

سعیدیؒ قطبین میں نماز اور روزہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے اس ایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: بظاہر اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اس سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص رمضان کے مہینے میں غائب بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بات ابتدا میں عجب معلوم ہو سکتی ہے، لیکن اب جب کہ یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ قطبین میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، وہاں کے رہنے والے رمضان کے مہینے میں مکمل طور پر حاضر نہیں ہو پاتے۔ اس لیے قطبین کے رہائشیوں پر رمضان کے روزے فرض نہیں ہیں۔ تاہم، جب باقی دنیا میں رمضان کا مہینہ ہو، تو وہ اپنے علاقے کی گھڑیوں کے وقت کے حساب سے کسی قریب ترین اسلامی ملک کے حساب سے طلوع اور غروب کے اوقات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مخصوص نظام الاوقات مقرر کر سکتے ہیں اور اتنا وقت روزے میں گزارنا بہتر ہے۔ اب جب کہ دنیا بھر میں ٹائم بتانے والی گھڑیاں دستیاب ہیں، یہ کام مشکل نہیں رہا۔ وہاں کے رہائشی اگر گھڑیوں کے حساب سے نماز پڑھیں، تو یہ بھی بہت بہتر ہوگا، حالانکہ سورج کے طلوع اور غروب کے حساب سے ان پر ایک سال میں صرف ایک دن کی نماز فرض ہوگی۔ روزہ میں بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے سعیدی لکھتے ہیں: پاکستان میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ سعودی عرب، دبئی یا کسی اور ملک سے رمضان کے ختم ہونے سے ایک یا دو دن پہلے روزے رکھتے ہوئے اتے ہیں اور ان کی تیس روزے پورے ہو جاتے ہیں اور یہاں ابھی رمضان ہی ہوتا ہے۔ تو چونکہ مذاھب اربعہ کے محققین فقہاء کے نزدیک بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع معتبر ہے۔ اس لیے اس کو روزے رکھنے چاہیے۔ چونکہ اس آیت میں ذکر ہے کہ پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے تو اس کے روزے ضرور رکھے۔ اور اس شخص نے اس صورت میں رمضان کا مہینہ پایا ہے اس لیے وہ سب کے ساتھ روزے رکھے نیز امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس دن لوگ روزہ رکھے اس دن روزہ ہے اور جس دن لوگ عید کریں اس دن عید ہے۔[20]

اس حدیث کا بھی یہ تقاضہ ہے کہ جو شخص پاکستان میں اگیا وہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ روزے رکھے اور یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے روزہ کی رخصت کے لیے شرعی مسافت کے حوالے سے سعیدیؒ لکھتے ہیں: کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے مسافر کو دوران سفر روزہ نہ رکھنے کی رخصت عطا فرمائی ہے لیکن علمائے کرام میں اختلاف ہے کی شرعی مسافت کی حد کیا ہے؟ داؤد ظاہری کے نزدیک مسافت کم ہو یا زیادہ اس پر سفر شرعی کا اطلاق ہوگا خواہ وہ ایک میل ہی ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دو دن کی مسافت کا اعتبار ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی دو دن کا اعتبار ہے جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک دن کی مسافت کا اعتبار ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی نزدیک سفر شرعی کی حد تین دن کی ہے۔ علامہ سعیدیؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے موقف کو اختیار کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی موقف کی دلیل بخاری شریف کی حدیث پاک ہے۔ حضرت عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ نبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: یہ عورت بغیر محرم کی تین دن کا فسر نہ کرے.[21] اسطرح جمہور فقہائے احناف نے تین دن

کی مسافت کو اٹھارا فرسخ کے برابر شمار کیا ہے۔ اٹھارا فرسخ میلوں کی اعتبار سے کتنی مسافت ہے ؟ اس بارے میں سعیدی لکھتے ہیں: اٹھارا فرسخ 54 شرعی میل کے برابر ہے جو انگریزی میلوں کے حساب سے اکسٹھ میل، دو فرلانگ، بیس گز ہے اور یہ 98.734 پاکستان کلو میٹر کے برابر ہے۔ (22)

اس آیت کے تفسیر میں عبد السلام بن محمدؒ لکھتے ہیں: کہ اس ماہ لیلۃ القدر میں قرآن کا نزول شروع ہوا، پھر تیئیس (23) برس میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ماہ رمضان کا قرآن مجید کے ساتھ خاص تعلق ہے، اس میں کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور قیام ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ہر رات جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام اور دوسرے سلف صالحین کے عمل سے بھی رمضان میں قرآن سے خصوصی شغف ثابت ہے۔ بہت سی احادیث میں ماہِ رمضان کی راتوں میں قیام کی فضیلت آئی ہے۔ بھٹویؒ نے نماز تراویح کے حوالے سے ایک حدیث نقل کیا ہے لکھتے ہیں کہ "ابو سلمہؓ نے عائشہؓ سے پوچھا کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کس طرح تھی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ آپ رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ (23) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دیا، چنانچہ ابی بن کعبؓ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت قیام کروائیں۔ بیس رکعت پڑھنا یا اس کا حکم دینا صحیح سند کے ساتھ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں۔ البتہ بعض روایات میں عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض لوگوں سے بیس رکعت پڑھنے کا ذکر آیا ہے لیکن موطا کی صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر گیارہ رکعت کا حکم انھی لوگوں کے اس عمل کو ختم کرنے کے لیے دیا تھا۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ اس ماہ کا چاند طلوع ہونے کے بعد جو گھر میں موجود ہو وہ ضرور روزہ رکھے۔ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ اس آیت سے علماء کرام نے روزوں کی تکمیل پر اس کا شکر ادا کرنے کے لیے عید الفطر کا اہتمام اور اس کے لیے جاتے اور واپس آتے ہوئے تکبیرات کا اہتمام اخذ کیا ہے جس کی عملی تفسیر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔ (24)

آیت نمبر (4) أُحِلَّ لَكُمۡ لَيۡلَةَ ٱلصِّيَامِ ٱلرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمۡۚ هُنَّ لِبَاسٞ لَّكُمۡ وَأَنتُمۡ لِبَاسٞ لَّهُنَّۗ عَلِمَ ٱللَّهُ أَنَّكُمۡ كُنتُمۡ تَخۡتَانُونَ أَنفُسَكُمۡ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ وَعَفَا عَنكُمۡۖ فَٱلۡـَٰٔنَ بَٰشِرُوهُنَّ وَٱبۡتَغُواْ مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمۡۚ وَكُلُواْ وَٱشۡرَبُواْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلۡخَيۡطُ ٱلۡأَبۡيَضُ مِنَ ٱلۡخَيۡطِ ٱلۡأَسۡوَدِ مِنَ ٱلۡفَجۡرِۖ ثُمَّ أَتِمُّواْ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيۡلِۚ وَلَا تُبَٰشِرُوهُنَّ وَأَنتُمۡ عَٰكِفُونَ فِي ٱلۡمَسَٰجِدِۗ تِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَقۡرَبُوهَاۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ ءَايَٰتِهِۦ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُونَ (25)

ترجمہ: تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے کہ رمضان کے روزوں کی راتوں میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی۔ چنانچہ اب تم ان سے صحبت کر لیا کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے، اسے طلب کرو۔ اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری، رات کی سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح نہ ہو جائے۔ اس کے بعد رات آنے تک روزے پورے کرو اور اپنی بیویوں سے اس حالت میں مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ لہٰذا ان کے خلاف ورزی کے قریب بھی مت جانا۔ اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔

دریا آبادی اس آیت کے تفسیر میں لکھتے ہیں: کہ اس آیت سے یہ اشارہ نکل رہا ہے کہ پہلے روزی کے حالت میں رات میں بھی دن ہی کے طرح بیویوں سے علحدگی کا حکم تھا۔ شریعت اسلامی رسول اللہ ﷺ کے حیات و رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ اسطرح یہ معلوم ہو رہا ہے کہ احکام شروع میں نرم تھے لیکن پھر رفتہ رفتہ سخت ہوگئے۔ جیسا کہ شراب نوشی پہلے حرام نہیں تھے پھر اسکی حرمت کا حکم آگیا۔ اور کہیں اسکا برعکس ہوا یعنی پہلے قانون سخت تھا پھر آہستہ آہستہ اس میں آسانیاں اور رعایتیں آگئے۔ اسطرح روزے کا بھی یہی معاملہ ہے کہ پہلے صحبت رات میں بھی حرام تھی پھر جائز ہوگئے۔ اسطرح ان سے اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ بیوی کی طرف میل ورغبت ذرا بھی کمال روحانیت و تزکیہ نفس

کے منافی نہیں جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے اور ماہ صیام کی طاعت و عبادت اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات زرا بھی نہیں جیسا کہ مذھب کے جوگیانہ جیسا کہ مذہب کیا ور راہبانہ تخیل نے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔ دریا آبادیؒ نے ایک مسئلے کے وضاحت کی ہے لکھتے ہیں: کہ قصداًاور بلاضرورت شرعی روزہ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت نے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھی ہے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک عمل سے روزہ توڑیں تو دونوں کی یہی سزا ہے لیکن اگر بیوی رضامند نہ ہو اور شوہر اسے دن میں ہمبستری پر مجبور کر دے تو بیوی پر گنا نہیں البتہ خود جبر کا تحقیق ہونا چاہیے۔ مجبور کے لئے صرف ایک روزہ کی قضا کافی ہے۔ اسطرح اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت سے صحبت، کھانے پینے اور نیند لینے ہی کے طرح تمام تر ایک امر طبعی ہے جس پر نہ کسی قسم کی ملامت ہے اور نہ کسی تحقیر و استہزاء کی گنجائش ملامت کے قابل صرف اس جنسی قوت کی بے محل استعمال ہے۔ جسطرح ملامت چوری کے کھانے اور حرام کھانوں پر ہے۔ اسطرح ما کتب اللہ سے مراد اولاد صالح ہے یعنی عمل مباشرت کا بڑا مقصد افزائش نسل اور حصول اولاد ہیں کہ امت کی قوت اور کثرت میں اضافہ ہو جائے۔ اس طرح فقہاء مفسرین نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ طلوع فجر ثانی (صبح صادق) تک رات کا اخری حصہ باقی رہتا ہے اور طلوع فجر کے بعد کا وقت دن میں شامل ہوتا ہے. دریا آبادی نے اعتکاف کے لغوی اور اصطلاحی معنی لکھا ہے: کہ لغت میں "اپنے کو کسی شے پر روک رکھنے یالازم کر لینے کے ہیں جبکہ اصطلاع میں اس سے مراد مسجد میں بیٹھ کر اپنے آپ کو عبادت کے لئے مقید کر لینا اعتکاف کہلاتا ہے۔ معتکف کے لیے لازم ہے کہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے کھائے پئے، سوئے جاگے اور بغیر مادی یا شرعی ضرورت کے مسجد سے باہر قدم نہ نکالے۔ مدت اعتکاف کے زیادہ سے زیادہ کوئی حد البتہ کم مدت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مسلک میں کم از کم ایک شب و روز ہونا چاہئے۔ دریا آبادی لکھتے ہیں: کہ اعتکاف ہمیشہ مسجد ہی میں ہونا چاہئے البتہ عورتوں کا اعتکاف بجائے مسجد کے گھر کی کسی گوشے میں بھی ہو سکتا ہے جیسے نماز و عبادت کے لیے مخصوص کر لیا جائے بلکہ مسجد میں عورت کے اعتکاف کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔[26]

اس آیت کی تفسیر میں سعیدیؒ حضرت عمر کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ حضرت عمر نے اپنی بیوی کو عملی زوجیت کے لیے بلایا انہوں نے کہا میں سو چکی ہوں حضرت عمر نے یہ گمان کیا وہ بہانے کر رہی ہیں اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی دونوں نے رات گزاری تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ کہ اللہ تعالی کو علم ہے کہ تم اپنی نفسوں میں خیانت کرتی تھی سو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائے اور تمہیں معاف کر دیا سو اب چاہو تو تم ان سے عملِ زوجیت کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے اس کو طلب کرو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگہ رات کی سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے پھر روزہ رات انے تک پورا کرو۔ اسی طرح سعیدیؒ سفید دھاگے اور سیاہ دھاگے کے درمیان فرق اور طلوع فجر کے بعد سحری کھانے کی ممانعت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اپ نے مجھے اسلام کی تعلیم دی اور ہر نماز کے وقت میں نماز پڑھنا سکھایا پھر فرمایا جب رمضان ائے تو کھاتے پیتے رہنا حتی کہ فجر کا سفید دھاگہ رات کے سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے پھر رات تک پورا کرنا۔ حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں کہ میں نہیں سمجھ سکا کہ کالے اور سفید دھاگے سے کیا مراد ہے؟ میں فجر تک ان دونوں دھاگوں کو دیکھتا رہا اور وہ مجھے ایک جیسے دکھائی دی پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور رسول اللہ ﷺ سے کہا یارسول اللہ ﷺ ہر وہ چیز جس کے اپ نے مجھے وصیت کی تھی مجھے یاد ہے البتہ سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا مطلب مجھے یاد نہیں رسول اللہ ﷺ مسکرائے گویا کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں نے کیا کہا تھا میں نے کہا: میں ان دونوں دھاگوں کو اور رات بھر انہیں دیکھتا رہا مجھے ایک جیسا دکھائی دئے۔ رسول ﷺ ہنسے حتی کہ اپ کی داڑھیں دکھائی دی۔ پھر اپ نے فرمایا کیا میں نے تم سے فجر کا لفظ نہیں کہا تھا اس سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔[27] اعتکاف کے لغوی اور اصطلاحی معنی کہ حوالے سے سعیدیؒ تحریر فرماتے ہیں: کہ اعتکاف کا لغوی معنی ہے ٹھہرنا اور اصطلاح معنی یہ ہے کہ مسجد میں رہنا، روزے سے رہنا، جماع کو بالکل ترک کرنا اور اللہ سے تقرب کا نیت کرنا اعتکاف کہلاتا ہے۔ اعتکاف کے تین اقسام ہیں واجب جس کی نظر مانی جائے، سنت موکدہ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف اور نفل بھی اس طرح

ہے۔ اس طرح سعیدیؒ عورت کے گھر میں اعتکاف کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ عورت گھر میں اعتکاف کر سکتے ہیں۔ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف اگرچہ نفل ہے، لیکن جب کوئی شخص اس کا آغاز کرتا ہے تو وہ اس پر لازم ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے ایک دن کا اعتکاف فاسد کر دیا تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس پر پورے دس دن کی قضالازم ہو گی، جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف اسی دن کی قضالازم ہو گی۔ اس کے برعکس، اگر نفل اعتکاف میں کوئی شخص تھوڑی دیر کے لیے مسجد سے باہر نکل جاتا ہے، تو اس پر قضالازم نہیں کیونکہ اس کا باہر نکلنا اعتکاف کو ختم کر دیتا ہے۔ چونکہ برطانیہ اور ہالینڈ وغیرہ میں لیز پر جگہ حاصل کر کے مسجد بنائی جاتی ہے وہ شرعا مساجد نہیں ہے۔ کیونکہ ان پر گورنمنٹ کی ملکیت ہوتی ہے۔ ان میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ہو گا اور نو ان میں اعتکاف صحیح ہو گا۔ شرعا مسجد اس وقت ہو گی جب کسی زمین کو اپنی صحیح ملکیت میں لے کر مسجد کے لیے وقف کر دیا جائے ان ممالک میں بعض مسلمان حکومت سے بے روزگاری الاؤنس لیتے ہیں اور ان کو مقررہ تاریخ پر جاکر سائن کر کے الاونس لینا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ اعتکاف کے دوران وہ تاریخ اجاتی ہے اور وہ سائن کر کے چلے جاتے ہیں اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا لیکن ان پر صرف اسی ایک دن کی قضالازم ہو گی۔ (28)

اس آیت کے تفسیر میں عبد السلام بن محمدؒ لکھتے ہیں: کہ ابتدا میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو روزہ کھولنے سے لے کر صرف نماز عشاء تک کھانا پینا اور عورت سے صحبت جائز تھی، اگر کسی شخص نے عشاء کی نماز پڑھ لی، یا وہ اس سے پہلے سو گیا تو اس کا روزہ شروع ہو جاتا تھا، پھر اگلے روز افطار یعنی سورج غروب ہونے تک کھانا پینا اور جماع اس پر حرام ہوتا تھا، بعض لوگ ضبط نہ کر سکے اور رات کو بیویوں سے صحبت کر بیٹھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں لوگ جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو ان پر کھانا پینا اور بیویاں حرام ہو جاتی تھیں اور وہ اگلی شام تک کے لیے روزے دار ہو جاتے تھے... تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی(29)۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے لباس کی طرح مل جاتے ہیں، انھیں جدا رکھنا یقینا ان پر مشکل ہو گا، اس لیے انھیں رمضان کی راتوں میں مباشرت کی اجازت دے دی گئی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کا آپس میں کوئی پردہ نہیں، بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ”وہ ایک دوسرے کی شرم گاہ کو نہیں دیکھ سکتے“ ان کے ایک دوسرے کا لباس ہونے کے منافی ہے۔ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کر لیتے، جو میرے اور آپ کے درمیان ہوتا، جبکہ ہم دونوں جنبی ہوتے۔“(30) اسطرح لکھتے ہیں: کہ صحبت کی لذت کے ساتھ ساتھ پاک دامنی کا حصول اور اولاد کی طلب مراد ہے۔ کفار کی خواہش کے مطابق مسلمانوں کا اولاد کی کثرت سے اجتناب جائز نہیں ہیں بھٹویؒ لکھتے ہیں: کہ فجر کے سفید دھاگے سے مراد صبح صادق ہے۔ اس ”سفید دھاگے“ اور ”سیاہ دھاگے“ کے سمجھنے میں بعض صحابہ کو غلط فہمی ہو گئی۔ انھوں نے سرہانے کے نیچے سفید دھاگا اور سیاہ دھاگا رکھ لیا اور اس کے واضح ہونے کا انتظار کرتے رہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس سے مراد رات کی سیاہی سے صبح کی سفیدی واضح ہونا ہے۔“(31) اسطرح عبد السلام بن محمدؒ نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لیے صرف عربی زبان سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ حدیث بھی ضروری ہے اور فجر تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جنابت کی حالت میں روزہ رکھ سکتا ہے۔ وَ اَنۡتُمۡ عٰكِفُوۡنَ فِي الۡمَسٰجِدِ کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ رمضان سے چونکہ اعتکاف کا خاص تعلق ہے، اس لیے یہاں اعتکاف کے احکام کی طرف اشارہ فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء محدثین روزے کے عنوان کے بعد اعتکاف کا عنوان باندھتے ہیں۔ اعتکاف کا معنی اپنے آپ کو کسی کے ساتھ یا کسی جگہ روک کر رکھنا ہے۔ اعتکاف میں بیوی سے مباشرت جائز نہیں، نہ مسجد سے نکلنا ہی جائز ہے، سوائے ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ اگر مباشرت کرے گا یا مجبوری والی ضرورت کے بغیر نکلے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ ہاں مسجد میں جا کر عورت اپنے خاوند سے ملاقات کر سکتی ہے۔ اسطرح اس لفظ سے معلوم ہوا کہ اعتکاف گھر میں نہیں ہوتا ہیں، مسجد میں ہوتا ہے چاہیے عورت ہو یا مرد ہو اور دلیل میں حدیث پیش کرتے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مسجد میں اعتکاف کرتی تھیں۔(32) اسطرح اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہوتا ہے(33)

آیت نمبر (5) لِلْفُقَرَآءِ ٱلَّذِينَ أُحْصِرُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي ٱلْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ ٱلْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ ٱلتَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ (34)

ترجمہ: مالی امداد کے بطورِ خاص مستحق وہ فقرا ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اسطرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ معاش کے تلاش کے لئے زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ اتنے پاک دامن ہیں کہ کسی سے سوال نہیں کرتے، اس لیے ناواقف آدمی انہیں مال دار سمجھ بیٹھتا ہے۔ تم ان کے چہرے کی علامات سے ان کی اندرونی حالت کو جان سکتے ہو، مگر وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو، اللہ اسے بخوبی جانتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں دریا آبادیؒ لکھتے ہے: کہ اس آیت میں صدقات کا ذکر ہے کہ صدقات کے اصل مستحق تو وہ حاجت مند ہیں جو دین ہی کے کسی کام میں گھر گئے اور اب آزادی سے کسب معاش نہیں کرسکتے اصل مراد مجاہدین ہیں۔ دریا آبادیؒ نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کے مصادق میں ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دین میں مشغول ہیں۔ اسطرح فرمایا ہے کہ سالکین کو کوئی ایسی خاص وضع نہ بنانا چاہئے جس سے عام اہل دنیا سے ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے دریا آبادیؒ نے اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اسم فقیر کا اطلاق اس شخص پر بھی جائز ہے جو حیثیت والے کپڑے پہنے ہوئے ہو اور اسے زکوات بھی دی جاسکتی ہے۔ بعض لوگ زبان سے کچھ نہ کہیں لیکن ان کا چہرہ بشرہ غور سے دیکھنے کے بعد خود ان کے فقر وفاقہ کی غمازی کرے گا۔ (35)

اس آیت کی تفسیر میں سعیدیؒ لکھتے ہیں: کہ ان فقراء سے مراد اہل صفہ ہے جنہوں نے خود علم دین کے حصول کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ یہ ستر نادار صحابہ کرام تھے جو مسجد نبوی میں رہتے تھے۔ نبی کریم نے ان کے لیے ایک چبوترا بنایا تھا یہ اپنے بلند ہمت اور خودداری کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ نہ انہوں نے اپنی وضع قطع مسکینوں اور درویشوں کے بنائی ہوئی تھی کہ ان کے ظاہری حالت قابلِ رحم ہو اور دیکھنے والا ان کو ضرورت مند سمجھ کر ان کی مدد کرے یہ صحابہ "خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر" کہ عملی تصویر تھے۔ یہ شدید ضروریات میں بھی اپنی سفید پوشی کو قائم رکھتے تھے اور اپنی چہروں سے اپنی بھوک اور پیاس کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اور ان سے باتیں کرنے والا اور ان کے ظاہری حالات کو دیکھنے والا ان کو خوشحال اور شکم سیر گمان کرتا تھا۔ اس طرح سعیدیؒ سوال کرنے کے حد جواز کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: کہ جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا ہو یا اتنی بدنی طاقت ہو کہ وہ محنت مزدوری کر کے ایک دن کی خوراک حاصل کرسکے اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دینے والے کو یہ علم ہو اور اس کے باوجود اس کو دیں تو گنہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ حرام کام میں مدد کر رہا ہے اور اگر وہی شخص طلب علم دین یا جہاد میں مشغول ہو اور کپڑوں کا سوال کرے تو جائز ہے بشرطیکہ اس کو کپڑوں کی ضرورت ہو۔ سعیدیؒ مسجد میں سائل کو دینے کے حوالے سے فرماتے ہیں: کہ بعض لوگ مسجد میں سوال کرتے ہیں اور بعض علماء ان کو منع کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ جو سائل مسجد میں نمازی کے اگے سے گزرے یا نمازیوں کے گردنیں پھلانگے، یا گڑگڑا کر سوال کرے یا اس کے متعلق دینے والے کو معلوم ہو کہ یہ فضول خرچی کرتا ہے یا اس کو معلوم ہو کہ اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے یا شخص صحت مند ہے اور محنت مزدوری کر کے کما سکتا ہے اس کے سوال پر اس کو دینا جائز نہیں ہے اور اگر یہ موانع اور عوارض نہ پائے جائے تو اس سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے۔ (36)

اس آیت کے تفسیر میں عبد السلام بن محمدؒ لکھتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خاص لوگوں پر صدقہ کرنے کا ترغیب دیا ہے ان کی چند صفات بیان فرمائی ہیں اور یہ ساری صفات اصحابِ صفہ میں پائی جاتی تھیں، اس لیے اس آیت کے سب سے پہلے مصداق وہی ہیں، پھر قیامت تک جو لوگ بھی ان صفات کے حامل ہوں گے وہ سب سے زیادہ مالی تعاون کے حق دار ہوں گے۔ لِلْفُقَرَآءِ کے حوالے سے عبد السلام بن محمدؒ لکھتے ہیں: کہ وہ خالی ہاتھ تھے نہ ان کے پاس مال تھا اور نہ گھر تھا۔ ان کے لیے مسجد نبوی میں ایک صفہ بنا دیا گیا۔ ان کی تعداد چار سو تھی جو غزوات اور مہموں پر بھیجنے کی وجہ سے کم زیادہ ہوتی رہتی تھی۔ اسطرح الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ کے حوالے سے لکھتے ہیں: احصار لغت میں یہ ہے کہ آدمی جو کام کرنا چاہتا ہے اس کے کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش آجائے، مثلاً کوئی بیماری، بڑھاپا، خرچ نہ ہونا یا کوئی دشمن وغیرہ۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی

راہ میں روکے گئے ہیں، یعنی جہاد اور طلب علم نے انھیں کمائی کرنے سے روک دیا ہے، وہ منتظر بیٹھے ہیں کہ کب حکم ہو اور وہ جہاد کے لیے نکلیں۔ یہ لوگ اللہ کی خاطر گھر سے نکلے، اللہ کی خاطر مال مویشی چھوڑ کر فقر اختیار کیا اور اب اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت بھی جو مجاہد یا دین کے طالب علم کاروبار یا ملازمت کے بجائے اپنے آپ کو جہاد اور دینی علوم کے حصول کے لیے روکے ہوئے ہیں، ان پر خرچ کرنا اولین فریضہ ہے۔ اسطرح ان کی بے نیازی، عزتِ نفس اور سوال سے بچنے کی وجہ سے ناواقف آدمی سمجھتا ہے کہ وہ غنی ہیں۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ ان مراد یہ ہے کہ بھوک کی وجہ سے کمزوری اور چہرے کی زردی سے تم ان کا فقر پہچان لوگے، مگر یہ معنی ہو تو یہ تو ناواقف بھی پہچان لیتا ہے، اس لیے اس کا مطلب چہرے کا نور اور وہ رونق ہے جو ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ان کے چہرے پر نمایاں تھی۔اسطرح لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ بظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سوال تو کرتے ہیں مگر لوگوں سے لپٹ کر نہیں، مگر یہ معنی درست نہیں، کیونکہ اگر یہ معنی ہو تو پچھلے دونوں جملے بے مقصد ٹھہرتے ہیں، کیونکہ جب سوال کر لیا تو تعفف (سوال سے بچنا) کہاں رہا اور پھر پہچان کے لیے چہرے کی علامت پر غور کی کیا ضرورت ہے، فقر کا اظہار تو ان کے سوال ہی سے ہو گیا، اس لیے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ نہ وہ لوگوں سے سوال کرتے ہیں نہ لپٹتے ہیں۔ دراصل یہ بھکاریوں کی عادت کی مذمت ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں مگر ہمارے یہ فقراء ایسا نہیں کرتے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کہے میرا باپ نامی گرامی چور نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ چور تو تھا مگر نامی گرامی نہیں، بلکہ وہ دوسرے آدمی کو تعریض کر رہا ہے کہ تمھارا باپ ایسا تھا۔ اسطرح عبد السلام بن محمدؒ لکھتے ہیں: کہ مجبوری کی بات الگ ہے کہ مجبوری میں تو خنزیر کھانے کی بھی اجازت ہے۔ جسطرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں کے لیے سوال کی اجازت دی ہے، ایک وہ جس نے (کسی دیت کی ادائیگی یا کسی کا تاوان اٹھانے کی) کوئی ضمانت اٹھائی ہو، دوسرا وہ آدمی جسے فاقہ پہنچے اور اس کی قوم کے تین عقل مند آدمی اسے فاقہ پہنچنے کی شہادت دیں، تیسرا وہ آدمی جسے کوئی آفت پہنچے جو اس کا سارا مال برباد کر دے۔ ان تینوں کو ضرورت پوری ہونے تک سوال کی اجازت ہے، ضرورت پوری ہو جائے تو مانگنا چھوڑ دیں اور انکے علاوہ سوال کے گنجایش نہیں ہے۔[37]

خلاصہ بحث:

تفسیر ماجدی میں مولانا صاحبؒ الفاظ کی لغوی تشریح بہت وضاحت سے کرتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر سے خوب استفادہ کرتے ہیں اور جگہ جگہ ان کی تفسیر کا حوالہ دیتے ہیں۔ مولانا صاحبؒ اپنی تفسیر میں عارفانہ اور صوفیانہ اقوال کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ صوفیانہ اقوال زیادہ تر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کلامی مسائل اور آیات الاحکام پر بہت تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

صاحب تبیان القرآن جب کسی آیت کی تفسیر یا کسی وضاحت و تشریح پر قلم اٹھاتے ہیں تو سب سے پہلے قرآن مجید سے رجوع کرتے ہیں، پھر حدیث مبارکہ اور آثار صحابہ و تابعین سے اسے مزین و آراستہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد آئمہ اربعہ کے اقوال اور مذاہب فقہاء کی روشنی میں اس مسئلے کو بیان کرتے ہیں اور اس پر دلائل و براہین کا انبار لگا دیتے ہیں۔ آخر میں اپنا موقف چند جملوں میں واضح کر دیتے ہیں۔ آپ کا اندازِ تحقیق اور اسلوب تحریر انتہائی دلآویز اور منفرد ہے، اور آپ کا اندازِ تحقیق اور اسلوب سو فیصد معروضی رہا ہے۔ تفسیر القرآن الکریم بالماثور کا بہترین نمونہ ہے۔ تفسیر القرآن میں طوالت و اختصار کے درمیان بہترین توازن قائم کیا گیا ہے۔ نیز یہ تفسیر اپنے اندر منفرد مضامین و موضوعات سموئے ہوئے ہے۔ حافظ عبد السلامؒ فہم القرآن میں خاص ملکہ اور دسترس رکھتے ہیں لہٰذا فاضل مؤلف نے نہایت عام فہم انداز میں قرآنی مفاہیم و مطالب کے بارے میں بنیادی شعور اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر ہٰذا قرآنی آیات کی تشریح میں دوسری آیات سے استدلال کرنے میں منفرد نظر آتی ہے۔ تفسیر القرآن الکریم کے بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ عبد السلامؒ کو فنون حدیث اور فنِ رجال پر گہری بصیرت حاصل ہے۔ آیات الاحکام پر تفصیلی بحث کرتے ہیں المختصر تفسیر القرآن الکریم عصر حاضر کی بہترین اردو تفسیری کاوش ہے۔

مصادر و مراجع:

---

[1] -البقرہ:3

[2] -عثمانی، محمد تقی، مفتی، آسان ترجمہ قران، مکتبہ معارف، کراچی، 1431ھ /2010ء، طہ:42

[3] -مولانا عبد الماجد دریابادی 16 مارچ 1892 کو دریاباد ضلع بارہ بنکی، بھارت میں قدوائی خاندان میں پیدا ہوئے۔ عبد الماجد دریا آبادی ایک ممتاز ہندوستانی مسلمان محقق اور مفسر قرآن تھے۔ مفتی مظہر کریم، جو ان کے دادا تھے، نے فرنگی حکومت کے خلاف ایک فتویٰ پر دستخط کرنے کی پاداش میں جزائر انڈومان میں جلاوطنی کی سزا کا سامنا کیا۔ عبد الماجد دریا آبادی نے قرآن کی تفسیر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تحریر کی۔ ان کی تفاسیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان میں قرآنی احکامات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ آپ نے 6 جنوری 1977 کو وفات پائی- (دریا آبادی، عبد الماجد، مولانا، آپ بیتی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1386ھ /1966ء، ص60)

[4] -دریا آبادی، عبد الماجد، تفسیر ماجدی، مکتبہ دارالندوہ، 1423ھ /2002ء ج1، ص52

[5] -غلام رسول سعیدی 10 رمضان المبارک 1356ھ 14 نومبر 1937ء بروز اتوار دہلی میں پیدا ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی کا نام پہلے والد محترم کے نام پر احمد منیر رکھا گیا پھر جب آپ کی عمر اکیس سال ہوئی اور آپ عبادت و ریاضت کی طرف مائل ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر آپ نے خود اپنا نام تبدیل کر کے "غلام رسول" رکھ لیا۔ آپؒ چھ سال کے عمر میں اپنے والدہ سے ناظرہ قران مکمل کیا اور پرائمری بھی اپنے ہی علاقے سے پاس کیا اور پھر ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی اور باقی تعلیم پاکستان میں حاصل کیا اسکے بعد تبیان القران کے نام سے ایک تفسیر لکھا جو بلکل شرح مسلم کے انداز پر قران مجید کی جامع تفسیر ہے اپؒ 79 برس کی عمر مین 5 فروری 2016 کو انتقال کر گئے-(راو، محمد عاطف اسلم، تذکرہ محدث اعظم پاک وہند، ضیا القران پبلی کیشنز، لاہور، 1439ھ /2018ء، ص57)

[6] -الشوری:13

[7] -سعیدی، غلام رسول، علامہ، تفسیر تبیان القرآن، فرید بک اسٹال، اردو بازار لاہور، 1435ھ / 2014ء ج1، ص276

[8] -عبد السلام بن محمد 27 اگست 1946ء بمطابق 29 رمضان المبارک 1365ھ میں اپنے ننھیال گوہڑ چک بتوئی ضلع قصور میں پیدا ہوئے آپ کا گاوں بھٹہ محبت ہے جو تحصیل دیپالپور پنجاب ضلع اوکاڑہ میں واقع ہے-اسی نسبت سے اپ بھٹوی کہلاتے ہیں-اپ کے والد حافظ ابولقاسم بھی بڑے جید عالم دین تھے عبد لسلام بن محمد نے میٹرک اور حفظ القران کے بعد دینی تعلیم جامعہ محمدیہ اکاڑہ اور جامعہ سلفیہ فیصل اباد سے مکمل کی- آپ فاضل عربی، فاضل فارسی، اور فاضل طب جدید نظریہ مفرد اعضاء کے سند رکھتے ہیں- آپ نے بہت زیادہ کتابیں تحریر کی اس میں ایک تفسیر القران الکریم قابل ذکر ہے آپ گزشتہ چار سال سے دل کے بیماری میں مبتلا تھے-جو 29 مئی 2023 کو حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے-(بھٹوی، عبد السلام، حافظ، فتح السلام بشرح صحیح البخاری الامام، دارالندلس، لاہور، 1442ھ / 2021ء، ج1، ص37)

[9] -کمیونزم کی ابتدا فرانسیسی لفظ کمیونزم سے ہوئی ہے جس کا مطلب ہے "کمیونٹی کے لئے "یہ نظام معاشی وسائل پالیسیوں اور زرائع پیداوار کی ریاستی ملکیت کے حمایت کرتا ہے-اور معاشی پالیسیوں کے معاملے مکمل ریاستی مداخلت کا حامی ہے-

[10] -بھٹوی، تفسیر القران الکریم، ج1، ص49

[11] -البقرہ:115

[12] -ماجدی، تفسیر ماجدی، ج1 ص224

[13] -البقرہ:239

[14] -سعیدی، تفسیر تبیان القرآن ج1 ص505

[15] -خالد بن سفیان ہذلی کا تعلق قبیلہ بنولہیان سے تھا اور سریہ عبد اللہ ابن انیس کے دوران ہی انکی ہلاکت انہی کی ہاتھوں سے ہوئی۔

[16] -عبد اللہ ابن انیس محمد ﷺ کے صحابہ میں سے تھے نام عبد اللہ اور کنیت ابویحی تھا۔ عقبہ ثانیہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مکہ جا کر محمد ﷺ کے بیعت کی اور وہی مقیم ہو گئے پھر مہاجرین کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی اس لئے مہاجری کہلاتا ہے–بدر اور احد دونوں عزوات میں شامل ہوئے تھے اور پھر 54ھ امیر معاویہ کے دور ملوکیت میں انتقال ہوا۔

[17] - السحبستانی، ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، مکتبہ دارالسلام، 1428ھ /2008ء رقم 1249

[18] -البقرہ:185

[19] -ماجدی، تفسیر ماجدی، ج1 ص336

[20] -الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، دارالغرب الاسلامی، بیروت، 1419ھ /1998ء ج2 ص72 رقم 697

[21] ۔البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دار طوق النجاۃ طبع 1422ھ / 2001ء، ج2ص43رقم 1086

[22]۔سعیدی، تفسیر تبیان القرآن ج1ص684

[23]۔ صحیح البخاری، رقم 2013

[24] ۔بھٹوی، تفسیر القران الکریم، ج1ص148

[25] ۔البقرہ:187

[26]: ماجدی، تفسیر ماجدی، ج1ص352

[27] ۔ صحیح البخاری، رقم 4510

[28] ۔سعیدی، تفسیر تبیان القرآن ج1ص703

[29] ۔سنن ابی داود، رقم 2313

[30] ۔ صحیح البخاری، رقم 299

[31] ۔ صحیح البخاری، رقم 1916

[32] ۔ صحیح البخاری، رقم 2034

[33] ۔بھٹوی، تفسیر القران الکریم، ج1ص151

[34] ۔البقرہ:273

[35]۔ ماجدی، تفسیر ماجدی، ج1ص501

[36] ۔سعیدی، تفسیر تبیان القرآن ج1ص975

[37] ۔بھٹوی، تفسیر القران الکریم، ج1ص224